کوئی دنیا کی طاقت عدل پر قائم نہیں ہوسکتی اگر خدا کے حضور اس کی گردن جھکی ہوئی نہ ہو۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 31 رمئی 1996 بمقام بیت النور نن سپیٹ ہالینڈ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ (النحل:76)

فرمایا:

آج جماعت احمدیہ ہالینڈ کا سترھواں (17) جلسہ شروع ہو رہا ہے اور یہی جمعہ کا خطاب ہی ان کے اس جلسے کا افتتاحی خطاب بھی ہے۔ اس موقع پہ جماعت ہالینڈ کو اور جماعت ہالینڈ کی وساطت سے باقی تمام دنیا کی جماعتوں کو نصیحت کرنے کے لئے میں نے اس آیت کا انتخاب کیا ہے جس کی ابھی تلاوت کی ہے۔ یہ سورۃ النحل کی چھہترویں (76) آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا اللہ ایک ایسے مملوک غلام کی مثال پیش کرتا ہے جو کسی چیز پر بھی کوئی قدرت نہیں رکھتا پھر ایسے شخص کی وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ جس کو ہم نے اپنی طرف سے احسن رزق عطا فرمایا۔ فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا پس وہ اس میں چھپ کر بھی خرچ کرتا ہے اور کھلم کھلا بھی هَلْ يَسْتَوٗنَ کیا وہ دونوں ایک جیسے ہوسکتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ بلکہ اکثر لوگ جانتے نہیں۔

اس آیت میں جو غلام کی مثال دی ہے اس کے مقابل پر ایک ایسے بندے کی جو خدا سے رزق پاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ غلام بھی تو خدا کا بندہ تھا جسے کسی نے غلام بنا لیا اور اس کا بظاہر تحقیر سے ذکر قرآن کریم میں کیا معنے رکھتا ہے۔ وہ قرآن کریم جس کی تعلیم نے آقا اور غلام سب کو برابر صف میں کھڑا کر دیا۔ وہ قرآن کریم جس نے حقیقت میں غلامی کو نیست و نابود کرنے کے لئے ایسے ذرائع پیش کئے کہ ان کی کوئی مثال دنیا کے کسی مذہبی یا غیر مذہبی تحریک میں دکھائی نہیں دیتی۔ وہ اسلام جس نے حضرت محمد ﷺ کا نمونہ غلاموں کے حق میں ان سے پیار کا پیش کیا اور ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس کی مثال تاریخ انبیاءؑ میں دکھائی نہیں دیتی۔ وہ اسلام جس کے ابتدائی مومنین میں سے وہ غلام بھی تھا جس کو خلفائے وقت سیدنا بلالؓ کہا کرتے تھے۔ اتنی عظمتیں ہیں غلامی کے لئے۔ وہ اسلام جو فتح مکہ کے وقت آنحضرت ﷺ کے ذریعے اس شان کے ساتھ ظاہر ہوا کہ بلالؓ کا ایک جھنڈا ابھی اس دن گاڑا گیا اور وہ آزاد لوگ جو اس غلام پر ظلم کیا کرتے تھے ان کو جان بچانے کے لئے اسی جھنڈے کی پناہ لینے کا حکم دیا گیا اور یہ اعلان کیا گیا کہ جو بھی اس غلام کے جھنڈے تلے آئے گا اس کی جان بخشی جائے گی، اس کو کوئی نقصان نہیں ہے۔

تو ایک طرف یہ سارے امور ہیں جو غلامی کے متعلق ایک حیرت انگیز اعلیٰ اور نفیس اور پاکیزہ تعلیم پیش کرتے ہیں اور پھر غلامی کی تعلیم میں جو تفصیل میں خدا تعالیٰ نے بار بار غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا اور پھر اس سے حسن سلوک کا حکم فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے جس طرح غلاموں پر ظلم کرنے والوں کی نہایت سختی سے تنبیہ فرمائی۔ یہاں تک کہ

> عبداللہ بن مسعودؓ کو جب وہ ایک غلام کو مار رہے تھے اس طرح ڈپٹ کر اس سے روکا ہے کہ بلا تاخیر انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کو آزاد کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اگر نہ کرتے تو جہنم تمہاری سزا تھی۔

(جامع الترمذی، أبواب البر و الصلة، باب النهی عن الضرب الخدم و شتمهم)

تو ایک طرف غلامی کا یہ عظیم مرتبہ ہے اور دوسری طرف یہ آیت ہے جو کہہ رہی ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا گویا یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ہیں ہی الگ الگ چیزیں۔ یہاں دراصل دنیا کے مملوک غلام کا

ذکر چل رہا ہے اور اس کے مقابل پر اس کا جسے رِزْقًا حَسَنًا عطا کیا جاتا ہے۔ مَّمْلُوْكًا کا لفظ، حالانکہ غلام مملوک ہی ہوا کرتا ہے، زائد طور پر یہ بتانے کے لئے ظاہر فرمایا گیا کہ وہ شخص جو دنیا کا غلام ہو جائے، دنیا کا بندہ بن جائے وہ ہر پہلو سے مملوک، یعنی اس کی آزادیاں ہر طرح سلب ہو چکی ہوتی ہیں۔ کسی ایک پہلو سے بھی وہ کوئی آزادی کا سانس نہیں لے سکتا، سو فیصدی دنیا کا غلام بن کے رہتا ہے اور اسے بھی تو خدا رزق دیتا ہے مگر اس رزق پر اس کا اپنا اختیار کوئی نہیں ہوتا۔ اپنی مرضی سے خرچ بھی نہیں کر سکتا اور شیطان اور دنیا کی غلامی اس پر بھی قابض ہو جاتے ہیں اور اس کے رزق پر بھی قابض ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ایسی منحوس چیز بن جاتا ہے کہ جہاں بھی جائے اچھی خبر کبھی نہیں لاتا بلکہ اس کے ہر کام میں نحوست اور بے برکتی ہوتی ہے۔ یہ دنیا کا غلام ہے جس کی بات ہو رہی ہے اور جو پوری طرح غلامی کے بندھنوں میں جکڑا جائے اسے عبد مملوک فرمایا گیا ہے۔ اس کے مقابل پر اپنے بندوں کا ذکر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عبد کا لفظ جب خدا کے تعلق میں بولا گیا ہے تو سب سے اعلیٰ ایک اعزاز ہے جس سے اوپر اعزاز کبھی کسی نبی یا غیر نبی کو نہیں دیا گیا۔ عباد الرحمٰن بھی ہیں اور بھی عباد کا ذکر ملتا ہے مگر آنحضرت ﷺ کو جب عبداللہ کہا گیا تو یہ ایک لقب تھا اور اس لقب سے بڑھ کر کبھی کسی نبی کو کوئی لقب عطا نہیں کیا گیا۔ تو دیکھیں ایک وہ عَبْدًا مَّمْلُوْكًا ہے جس کا تحقیر سے ذکر ہے، بالکل ظاہر بات ہے اور ایک وہ عبد ہے جو تمام دنیا کا سردار ہے۔

پس یہاں دنیا کے غلام اور اللہ کے غلام کا موازنہ ہو رہا ہے۔ عام غلام کی بات نہیں ہو رہی اور وہ جو اللہ کا غلام ہو جائے جو بھی خدا اس کو رزقِ احسن عطا فرماتا ہے پھر وہ اپنا ہوتے ہوئے بھی اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ ایک وہ دنیا کا غلام ہے جس کو اپنے مال پر بھی کوئی اختیار نہیں ہے، کوئی اس کو دسترس نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے کچھ کر سکے۔ ایک وہ ہے جسے مالک خود دیتا ہے اور بہت دیتا ہے۔ پاکیزہ رزق عطا فرماتا ہے اور کہتا ہے یہ تیرا ہو گیا اور وہ پھر اس کی راہ میں پیش کر دیتا ہے۔ تو ایک مجبوری کی غلامی ہے، ایک طوعی غلامی ہے اور طوعی غلامی کے یہ انداز ہیں۔ جو محبت کے بندھن میں باندھے ہوئے غلاموں کے اطوار ہیں، جو ان کے طریق، ان کے اخلاق ہیں وہ حضرت محمد ﷺ کی سیرت میں ہمیں دکھائی دیتے ہیں اور دراصل یہاں انہی کا ذکر چل رہا ہے۔

فرمایا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا وہ چھپ کر بھی اس رزق سے جو خدا اسے

عطا فرماتا ہے، اس کا رب اسے عطا کرتا ہے خرچ کرتا ہے اور کھلے بندوں سرعام بھی خرچ کرتا ہے۔ هَلْ يَسْتَوُوْنَ کیا وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ کسی پہلو سے بھی کیا ان میں کوئی برابری ہو سکتی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر ان میں سے جانتے نہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۷﴾ (النحل:77)

اس مضمون کو خوب کھول دیا ہے کہ اب یہاں دراصل دنیا کے غلاموں اور خدا کے غلاموں کے درمیان ایک موازنہ کر کے دکھایا جا رہا ہے اور بتایا یہ جا رہا ہے کہ کوئی موازنہ کا پہلو موجود ہی نہیں ہے۔ ایسا غیر برابر موازنہ ہے کہ کوئی ایک چیز بھی ان دونوں کے درمیان مشابہ نہیں ہے۔ پس يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تو بالبداہت حضرت محمد ﷺ کی صفات ہیں۔ سب سے بڑا عدل کی تعلیم دینے والا پیمبر آپؐ تھے، سب سے بڑا صراط مستقیم پر چلنے والا رہنما آپؐ تھے۔ پس میرے نزدیک دنیا کے غلاموں کی حیثیت پہلے ایک طرح بیان فرمائی گئی۔ اب دوسری طرح بیان فرمائی جا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اَبْكَمُ ہے، گونگا ہے اور لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ وہ اپنے مالک پر بھی ایک بوجھ ہے۔ اَبْكَمُ دراصل علم وحکمت سے عاری ہونے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ گونگا وہ شخص جسے کچھ بیان کرنے کی مقدرت نہ ہو اور آنحضرت ﷺ اُمّی ہونے کے باوجود سب سے زیادہ علموں کے خزانے لٹانے والے تھے۔ پس آپؐ کے مقابل پر وہ شخص جو بظاہر عالم بھی ہو اگر وہ دنیا کا غلام ہے تو اس سے کوئی بھی فیض دنیا کے لئے جاری نہیں ہوتا۔ گویا کہ وہ گونگا ہے۔ اس کے پاس کچھ بتانے کے لئے ہے ہی نہیں۔ اگر ہے تو بیان نہیں کر سکتا۔ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ جو بھی اس کا مالک ہے اس پر وہ بوجھ ہے یعنی جس چیز کا وہ غلام ہے اس کے لئے وہ بوجھ ہے۔ یہ بہت ہی گہرا اور دلچسپ مضمون ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا دار لوگ جو دنیا کے ہو جاتے ہیں اور اس حد تک وہ دنیا پر جھک جاتے ہیں کہ ان کا مالک بھی ان پر اعتماد نہیں کر سکتا اور جو کام ان سے لیتا ہے اس کا فیض ان کو نہیں پہنچتا اور رفتہ

رفتہ ایسے لوگ خود دنیا کی نظر میں جس کے کیڑے بن چکے ہوں اپنی عظمت اور قدر کھو بیٹھتے ہیں۔

پس ایسا خوفناک نقشہ دنیا کی غلامی کا جو دو مختلف مثالوں میں بیان فرمایا گیا ایک طرف ہے اور دوسری طرف اللہ کے غلاموں کا نقشہ ہے جو ہر آزاد سے بڑھ کر قابل تعریف اور ہر آزاد سے بڑھ کر آزادی کا متحمل ہے اور حقیقت میں خدا کی غلامی کے سوا آزادی کا تصور ہی کوئی نہیں ہے۔ یہ پہلو جو ہے اس کو میں آپ کے سامنے کھول کر رکھنا چاہتا ہوں۔ جو علامتیں ہیں وہ واضح ہیں۔ اگر کسی شخص میں دنیاداری کا اتنا رجحان ہو کہ وہ ہر طرح اپنے مال و دولت جس کی خاطر جیتا ہے اس کا غلام ہو کر رہ جائے تو ایسا شخص خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوسکتا اور اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ نہ چھپ کر خدا کی راہ میں خرچ کرسکتا ہے نہ ظاہر ہو کر خرچ کرسکتا ہے اور پھر دنیا بھی اسے قبول نہیں کرتی اور دنیا میں اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ جس کام پر ہاتھ ڈالتا ہے وہ اس کے لئے، اس کی اولاد کے لئے، اس کی دنیا کے لئے، اس کی عاقبت کے لئے دراصل خیر و برکت سے عاری ہوا کرتا ہے۔

پس آپ کے لئے دو ہی رستے ہیں یا دنیا کی غلامی قبول کریں یا خدا کی غلامی میں آجائیں اور خدا کی غلامی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ہر دوسرے بندھن سے آزاد کرتی ہے اور اس میں ایک ادنیٰ بھی مبالغہ نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جو اللہ کا غلام ہو وہ ہر بات میں فیصلہ خدا سے چاہتا ہے اور ہر فیصلہ اس کی رضا کی خاطر کرتا ہے اور دنیا کی رضا یا ان کی خاطر بیچ میں سے بالکل نکل جاتی ہے پس وہ نہ بادشاہ کی خاطر کچھ کرتا ہے، نہ اپنے ملک کے سربراہ کی خاطر یعنی اس سے ڈر کر۔ نہ اپنے عزیزوں سے ڈر کر یا ان کی خاطر۔ جو بھی بھلائی کرتا ہے، جو بھی خیر کرتا ہے اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھتا ہے۔ تو جو شخص ہر دوسرے کی رضا سے آزاد ہو جائے، جو ہر دوسرے کے خوف سے آزاد ہو جائے اس سے بڑا آزاد کوئی دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی سوچیں آزاد ہو جاتی ہیں۔ اس کی نیتیں آزاد ہو جاتی ہیں اور چونکہ اللہ کی غلامی ہے اس لئے اس کی ہر بات میں ایک برتری، ایک بالادستی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ کی رضا کے اندر ایک غیر معمولی طاقت ہے اور اللہ کی رضا سچائی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اللہ کی رضا ہی سے عدل پیدا ہوتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے اس مضمون کا آخری نچوڑ یہ نکالا کہ وہ شخص جو خدا کا غلام ہے اس غلام کے مقابل پر اس کی شان دیکھو کہ وہ عدل کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے یعنی اس کے اندر ایک توازن پیدا ہو جاتا ہے۔

عدل اللہ کے تصور کے بغیر پیدا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔کوئی دنیا کی طاقت خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی ہو عدل پر قائم نہیں ہوسکتی اگر خدا کے ہاں اس کی گردن نہ جھکی ہوئی ہو۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے کبھی دنیا میں کسی نے نہ تبدیل کیا نہ آئندہ کوئی تبدیل کرسکتا ہے۔آج کی دنیا کو عدل کے متعلق احساس ہو چلا ہے کہ بہت اہم چیز ہے۔ بڑے بڑے سیاستدان بھی بات کرتے ہیں کہ عدل ہونا چاہئے مگر خدا سے تعلق کے بغیر عدل قائم ہونہیں سکتا۔ یہ وہم ہے کیونکہ اللہ کے تعلق میں دو باتیں ہیں اس کی محبت اور اس کا خوف اور محبت اور خوف کے درمیان جو توازن ہے وہ عدل کے قیام کا ذمہ دار ہے اس کے بغیر عدل پیدا ہونا ممکن نہیں۔ یہ جو میں باتیں کہہ رہا ہوں بظاہر ایک دعویٰ ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ بہت گہری سوچ اور بہت تفصیلی جائزوں کے بعد میں قطعی نتیجے پر پہنچا ہوں اور اس کو تفصیل کے ساتھ اگر بیان کیا جائے تو ایک لمبا مضمون ہوگا۔مگر انسانی زندگی کے ہر پہلو پر یہ بات صادق آتی ہے کہ جو پہلو بھی خدا کے خوف سے باہر ہو جائے ،خدا کی محبت سے باہر ہو جائے ، وہ عدل سے خالی ہو جاتا ہے۔اس میں یا ایک طرف جھکاؤ ہو جائے گا یا دوسری طرف جھکاؤ ہو جائے گا۔

پس دنیا والے بھی جو عدل کرتے ہیں بعض عدل ان کے میکینکل عدل ہیں۔ان کے اندر ان کی روح کی گہری لطافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ان کی روح کی گہری لطافت تب پیدا ہوسکتی ہے اگر خدا سے تعلق ہو۔ورنہ جو ظاہری عدل ہے بعض دفعہ ایک جج بھی جو دنیا دار بلکہ دہریہ ہے وہ بھی عدل کرتا ہے۔مگر اس کا عدل اور چیز ہے اور خدا کا عدل اور چیز ہے۔اس کے عدل کے اندر ایک بے اختیاری ہے۔وہ مالک نہیں ہے کسی چیز کا اور ملازم ہے ایک ایسے منصب پر جہاں اس کے فرائض میں عدل داخل ہے اس لئے وہ عدل کرتا ہے لیکن وہ شخص جو مالک بھی ہو، جسے اختیار بھی ہو، مواقع بھی میسر آئیں کہ عدل کروں یا نہ کروں وہ اگر عدل کرتا ہے تو وہ اسلامی عدل کے تصور کے نسبتاً زیادہ قریب ہے۔پھر ایسے جج بھی ہیں جو عدالت کی کرسی پر بیٹھتے ہیں ،عدل کرتے ہیں۔جب گھر آتے ہیں تو بیوی سے عدل نہیں کرسکتے۔اپنے دوستوں سے عدل نہیں کرسکتے۔اپنے ماتحتوں سے عدل نہیں کرسکتے۔اپنے ماتحتوں سے جو گھر کے ملازم ہیں ان سے عدل نہیں کرسکتے اور اپنے ملنے جلنے والوں سے ،اپنے رشتہ داروں سے ،اپنے بیوی بچوں تک سے عدل نہیں کرسکتے۔تو عدل کا مضمون کوئی معمولی مضمون نہیں۔ یہ ساری زندگی کے ہر پہلو پر چسپاں ہونے والا ایک باریک مضمون ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے سے عدل نہیں کرسکتے۔

اپنے سے عدل کی تفصیل میں اگر آپ جائیں تو آپ کو انسان کی جسمانی صحت اور روحانی صحت کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالنی پڑے گی۔ وہ شخص جو اپنی ذات سے عدل کرتا ہے اس کے لئے ایک ایسی باقاعدہ زندگی ہونی ضروری ہے کہ جہاں وہ آرام کے وقت آرام کرے گا اور محنت کے وقت محنت کرے گا اور یہ وہ عدل ہے جس سے بعض دفعہ خدا کے بندے بھی جو بہت بلند مرتبہ والے ہیں کسی حد تک عاری ہو جاتے ہیں۔ پس اللہ کے سوا کسی کو نہ کامل عدل کی توفیق ہے، نہ وہ اپنے سے عدل کر سکتا ہے، نہ غیر سے عدل کر سکتا ہے۔ مگر ہاں جو خدا والے ہوں ان کو کم سے کم غیروں کے معاملے میں عدل کرنے کی ضرور توفیق مل جاتی ہے۔ پس ایک ہی موقع ہے جہاں خدا کے بندے عدل سے عاری دکھائی دیتے ہیں وہ اپنی ذات کے معاملے میں عدل ہے۔ اس پہلو سے وہ ظالم کہلاتے ہیں مگر ان کے ظلم میں ایک احسان کا پہلو ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں عدل کا فقدان ایک بدصورتی کی بجائے ایک خوبصورتی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے عام دنیا میں ماں بچے سے پیار کے نتیجہ میں اپنے سے عدل نہیں کرتی۔

اب عدل نہ کرنا ایک خرابی ہے۔ جو انسان اپنی طاقت سے بڑھ کر بوجھ اٹھالے اس کو اس کا نقصان پہنچے گا اور یہ عدل کے فقدان کی ایک طبعی سزا ہے جو قانون قدرت میں جاری ہے، کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ تو ایک ماں جب اتنا جاگتی ہے کہ اس کے بدن میں طاقت نہیں ہے اتنا جاگنے کی، اتنا غم دل پہ لے لیتی ہے کہ اس کے اعصاب میں طاقت نہیں کہ وہ غم برداشت کر سکے۔ اس کی سزا تو اس کو ضرور ملتی ہے۔ مگر یہ گناہ کی سزا نہیں یہ خطا ہے جس کا بدلہ دیا جاتا ہے۔ پس عدل کے فقدان میں بعض دفعہ خطا ہوتی ہے، بعض دفعہ گناہ بن جاتا ہے یعنی عدل کا فقدان گناہ بن جاتا ہے۔ پس وہ عدل کا فقدان جو کسی پر احسان کے نتیجہ میں ہوا سے گناہوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ وہ عدل کا فقدان جو احسان کے نتیجہ میں ہوا سے ایک بشری کمزوری کہا جاتا ہے۔ یا حسن میں اتنا بڑھ جانا اور احسان میں اتنا آگے نکل جانا کہ اپنے بدن کو قربان کئے بغیر انسان وہ خدمت نہیں کر سکتا۔

اس پہلو سے حضرت اقدس محمد ﷺ کے لئے جہاں بھی ظلم کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں آپ کے بے انتہا احسان کو ظاہر کرنے کے لئے ہوا ہے۔ اب وہ آیت کریمہ جس کی بار بار آپ کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے میں کئی دفعہ حوالے دے چکا ہوں۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا

یَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (الشعراء:4) کیا تو اپنی جان کو ہلاک کر لے گا اس غم میں کہ وہ مومن نہیں ہوتے ، وہ ایمان نہیں لاتے ۔ اب ظاہر بات ہے کہ عدل کا فقدان تو ہے یعنی اپنے نفس کا جوحق ادا کرنا تھا وہ ادا نہیں کیا جارہا اس لئے کہ دوسرے بچ جائیں اور یہ غم جن دعاؤں میں ڈھلتا ہے وہ دعائیں ان کو بچالیں ۔ تو طاقت سے بڑھ کر بوجھ اٹھایا گیا ہے اور جس طرح مائیں جب طاقت سے بڑھ کر بوجھ اٹھاتی ہیں تو یہ عذر ان کا پیش نہیں جاتا کہ ہم نے تو بچے کی خاطر ، نیکی کی خاطر قربانی کی تھی اس لئے قانون قدرت کو اپنا ہاتھ روک لینا چاہئے ۔ قانون قدرت کا جو عدل ہے وہ سب سے بالا ہے اور وہ اللہ کا عدل ہے ۔ وہ اپنے انبیاءؑ پر بھی چلتا ہے اور ان پاکبازوں پر بھی چلتا ہے جو خدا کی خاطر عدل سے گریز کر رہے ہیں بظاہر ۔ تو دیکھو کتنا باریک مضمون ہے۔

میں نے آپ کو جو مثال دی تھی وہ یہی سمجھانے کے لئے کہ آپ یہ سن کر کہ جی عدل بڑا ضروری ہے سب جگہ ہونا چاہئے ہرگز اطمینان نہ پائیں کہ آپ کو اس مضمون کی سمجھ آ گئی ہے۔ بہت ہی گہرا اور بہت ہی لطیف مضمون ہے۔ پس حضرت اقدس محمد ﷺ نے جب اپنی جان پر بوجھ اٹھایا اور زیادہ اٹھایا اور اللہ نے نصیحت فرمائی کہ کیا تو ان ظالموں کی خاطر اپنے پاک نفس کو ہلاک کر لے گا تو اس کا نتیجہ بھی نکلا اور وہ یہ تھا کہ آپ کے بال عمر سے پہلے ہی سفید ہو گئے اور بالوں کا سفید ہونا بعض دفعہ گہرے غم کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ پس لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ کا مضمون تھا جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تو ہود قوم نے بوڑھا کر دیا۔ وہ ہود قوم جس کے لئے سورہ ہود نازل ہوئی ۔ کیسا گناہ انہوں نے کیا ، کیسا ظلم کمایا کہ پوری قوم صفحہ ہستی سے مٹادی گئی۔ کتنی دیر پہلے ، ہزاروں سال پہلے کا ایک واقعہ رسول اللہ ﷺ کے دل پر اتنا گہرا اثر ڈال دیتا ہے کہ وہ ہود کے غم میں بوڑھے ہو جاتے ہیں ۔ فرماتے ہیں تمہیں تو اور چیزوں نے بوڑھا کیا ہوگا شَیَّبَتْنِي هود مجھے تو سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ (جامع الترمذی ،أبواب تفسير القرآن ،باب ومن سورة الواقعة) مگر بوڑھے ہوئے تو ہوئے ، بال تو سفید ہوئے قانون قدرت نے اپنا ہاتھ نہیں روکا۔

تو دیکھیں عدل کا مضمون جب ایک دوسرے کے متقابل آتا ہے تو کتنے نئے رنگ دکھاتا ہے۔ اللہ کا عدل ہے جس نے کہا کہ میرا قانون ہر انسان پر برابر چلے گا اور سب سے زیادہ محبوب نبی ﷺ کے اوپر بھی اس وقت اثر دکھا رہا ہے جب وہ خدا کی خاطر کر رہا ہے ۔ فرمایا اس کی قیمت تو تمہیں دینی

پڑے گی۔ یہ میرا قانون قدرت، عام قانون کا عدل ہے اور جہاں تک تمہاری قربانی کا تعلق ہے وہ میرے ذمہ ہے۔ اس کا اتنا بدلہ ہوگا کہ اس کا تصور بھی عام انسان نہیں کرسکتا۔ تو احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ جاری ہے۔ عدل کا بدلہ عدل کے ساتھ جاری ہے اور پھر عدل کرنے والوں کے اندر بھی بڑا فرق دکھایا گیا ہے۔ کچھ اپنے نفس کی خاطر عدل کرتے ہیں، کچھ اور مقاصد کی خاطر عدل کرتے ہیں، کچھ حسن واحسان کی خاطر عدل کرتے ہیں۔ اسی عدل کی ایک عجیب مثال ایک بزرگ کے واقعہ میں یا اس کی کہانی میں بیان کی گئی ہے جس میں حسن اور عدل کا موازنہ کیا گیا ہے یا حسن واحسان اور عدل کا موازنہ کیا گیا ہے۔

کہتے ہیں ایک بزرگ جنگل میں بیٹھا اللہ تعالیٰ کی یاد میں محو تھا کہ اتنے میں ایک ڈری ہوئی، پھڑ پھڑاتی ہوئی فاختہ اس کی گود میں آ گری، جو زندہ تھی لیکن جیسے گھبرا کر کسی خطرے سے بھاگتے ہوئے اس کے اندر مزید دم نہیں رہا تھا کہ وہ آگے بڑھ سکے اور اس نے اس کو اپنی جھولی میں لیا اور پیار سے اس کو سنبھالا تو اتنے میں ایک باز اس کا پیچھا کرتا ہوا وہاں پہنچا۔ اب یہ کشفی نظارہ اس نے دیکھا کہ باز اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ یہ خدا نے میرے لئے شکار بنایا ہے اور قانون قدرت ہے۔ تم مجھے ظالم نہیں کہہ سکتے۔ جس نے میری غذا یہ مقرر کی ہے وہ جانتا ہے کہ کیوں ایسی غذا مقرر کی گئی ہے۔ مگر یہ میری غذا ہے اور میں نے بڑی محنت کی، میں اچک لیتا اس کو مگر تم بیچ میں حائل ہو گئے ہو۔ تمہیں کس نے حق دیا ہے کہ اس پرندے کو مجھ سے روک لو کیونکہ مجھے تو خدا نے یہی رزق عطا فرمایا ہے اور اب عدل اس کا للکارا گیا اور عدل کے تقاضے کے پیش نظر اسے وہ فاختہ بہر حال واپس کرنی تھی۔ مگر احسان اس فاختہ کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس بزرگ نے اس پرندے کو یعنی باز کو اس کشفی حالت میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں خدا نے گوشت رزق کے طور پر بخشا ہے۔ لیکن کہیں خدا نے یہ قانون نہیں بنایا کہ فاختہ ہی کا گوشت ہوگا۔ انسانی گوشت اس سے بھی بہتر ہے۔ پس میں اپنے جسم کا ایک ٹکڑا اتنا کاٹنے کے لئے تیار ہوں جتنا تمہارا پیٹ بھر جائے اور یہ کہہ کر اس نے چاقو نکالا اور اپنی ران سے ایک گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر اس پرندے کو دے دیا۔ یہ احسان اور عدل کا ایک عجیب موازنہ ہے جو کشفی صورت میں پیش کیا گیا کہ ایک شخص جب احسان کرتا ہے تو پھر اسے قربانی کرنی پڑتی ہے۔ عدل کو پھر بھی قائم رکھنا ہوگا مگر وہاں عدل کا قیام اس کی ذاتی قربانی چاہتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جہاں بھی عدل سے گریز فرمایا ہے اپنی قربانی دے کر عدل سے گریز کیا ہے، اپنے خلاف عدل سے گریز کیا ہے۔ کسی دوسرے کے خلاف نہیں۔ کسی دوسرے کی خاطر کیا ہے اور اس قربانی میں آپؐ کی بدنی قربانی ضرور شامل ہوئی اور اس وجہ سے خدا تعالیٰ نے صرف نظر نہیں فرمایا۔ تو ان تمام باتوں کو سمجھتے ہوئے سب سے پہلے تو آپ کو معاشرے میں عدل کا قیام کرنا ہے، اپنے تعلقات میں اور اپنے گھر میں، اپنی اہلیہ سے، اپنے بچوں سے، اپنے عزیز و اقارب سے، اپنی حکومت سے، نظام جماعت سے، جو ان کے حقوق ہیں وہ ان کو ادا کرنے ہیں۔ جو ان کے تقاضے ہیں وہ آپ نے پورے کرنے ہیں۔ عدل پر قائم ہوں گے تو پھر اگلا قدم احسان کا شروع ہوگا اس سے پہلے ناممکن ہے۔ جرمنی کے اجتماع میں بھی میں نے خدام کو کچھ عدل کے متعلق سمجھایا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ یہ مضمون بہت ہی وسیع ہے اس لئے آج آپ کے اجتماع میں جو جماعت کا اجتماع ہے اسی مضمون کے بعض دوسرے پہلوؤں کو روشن کرتا ہوں۔

نظام جماعت میں عدل کے تقاضے بعض دفعہ بہت باریک ہو جاتے ہیں اور الجھے ہوئے ہوتے ہیں یہاں تک کہ ایک انسان ان کو پوری طرح نہ سمجھنے کے نتیجے میں کئی دفعہ نظام جماعت کی بے حرمتی پر اتر آتا ہے اور اس کی سزا اس کو ضرور ملتی ہے کیونکہ خدا کے نظام سے جو شخص ٹکرائے اسے کبھی صحیح سالم بچتا ہوا نہیں دیکھا گیا۔ یہ بالکل الگ بحث ہے کہ وہ سچا تھا یا جھوٹا تھا۔ نظام ایک ایسی چیز ہے جیسے قانون قدرت ہے۔ کوئی شخص اپنا حق سمجھتے ہوئے اگر آگ میں ہاتھ ڈالے گا اور اس کی کوئی چیز اس میں گری ہوئی ہے وہ کہے کہ میرا حق ہے میں ضرور نکالوں گا تو آگ اسے ضرور جلائے گی۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا کے نظام کے اوپر کوئی غالب آسکے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ اس کی میں مثال آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ پس نظام جماعت کوئی معمولی نظام نہیں ہے۔ یہ قانون قدرت کی مثال ہے جس کے اوپر خدا تعالیٰ نے روحانی نظام جاری فرمائے ہیں اور جیسے قانون قدرت آپ کی بقا کے لئے لازم ہے اور اس کے بہت سے پہلو ہیں اسی طرح نظام جماعت بھی آپ کی انفرادی بقا کے لئے لازم ہے۔ اگر نظام جماعت نہ ہو تو کسی کی روحانی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

باقی لوگوں کا حال دیکھو کیا ہوا ہے۔ کس طرح تتر بتر ہو کر بکھر گئے ہیں۔ کیسے اجتماعیت بٹ کر آخر انفرادیت میں بدل گئی اور ہر شخص آزاد ہے اور وہ اس آزادی کے مزے لے رہا ہے یعنی بظاہر

وہ سمجھتا ہے کہ میں آزاد ہوں اور احمدی غلام ہیں اور ہر وقت کی مصیبت۔ یہ بات ہو تو نظام سے پوچھو، بیٹھنا ہو تو نظام سے پوچھو، کیا مصیبت ہے یہ۔ کہاں یہ اور کہاں ہم جو مرضی کریں۔ سکھ سے شادی کریں، عیسائی سے کریں، کسی دہریہ سے کرلیں۔ رسمیں منانی ہوں تو منائیں۔ کون ہے جو ہمارے معاملے میں دخل دے۔ شراب خانے کھولیں، ان کے اوپر ختم قرآن کروائیں۔ لوگ آئیں اور شوق سے حصہ لیں۔ مجال ہے کسی کی جو لب کھولے کہ تم نے کیوں ایسا کیا۔ ایک یہ وہ آزادی ہے اور ایک طرف نظام جماعت ہے جس نے دیکھو کتنا پابند کر رکھا ہے لیکن مملوک وہ ہے جس کا اپنا کچھ بھی نہ رہا، کلیۃً اس کی ہر چیز دنیا کے لئے ہوگئی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں آزاد ہوں حالانکہ وہ ہر پہلو میں، ہر بات میں غلام بن گیا ہے رسم ورواج کا، لوگوں کے دیکھنے کا، ریاکاری کا اور نفسانی خواہشات کا۔ پس جو اپنے نفس کا غلام بن جائے، جو دنیا کی نظروں کا غلام ہو جائے، جس کا اٹھنا بیٹھنا خدا کے سوا دوسرے مقاصد کے لئے ہو جائے وہ مملوک ہوتا ہے اور وہ شخص انصاف سے عاری ہو جایا کرتا ہے لیکن جماعت احمدیہ کا جو نظام ہے اب میں نظام کی بات کر رہا ہوں۔ نظام جماعت ایک ایسا نظام ہے جو قانون قدرت کی طرح آپ کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اب کوئی شخص کہہ سکتا ہے دنیا میں کہ عجیب قدرت ہے مصیبت پڑی ہوئی ہے۔ آگ میں ہاتھ نہ ڈالو اور زیادہ ٹھنڈی ہوا نہ کھاؤ، کپڑے گرم پہنو سردیوں میں، گرمیوں میں ٹھنڈے کپڑے پہنو اور بھوک لگے تو یہ کرو، بھوک نہ لگے تو فلاں کام کرو، اٹھو، بیٹھو، سوؤ، جاگو مگر توازن رکھو۔ کھانا کھاؤ مگر بھوک ختم ہونے سے پہلے ہاتھ روک لو یعنی وہ قانون قدرت جو تقاضے کرتا ہے۔ عیش کرو مگر ایک حد تک۔ جاگو مگر ایک حد تک۔ دیکھو پابندیاں ہیں کہ نہیں اور یہ وہ پابندیاں ہیں جو خدا تعالیٰ نے خود کہہ کر عام بندوں پر نہیں لگائیں مگر تمام دنیا کا نظام برابر ہر انسان پر پابندی لگائے ہوئے ہے اور جہاں بھی اس پابندی کے تقاضے سے بچ کر کوئی انسان نہیں چلتا وہاں ضرور اس کو سزا ملتی ہے۔ کئی لوگ وقت سے پہلے بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ کئی لوگ ہیں جو پہلے اپنی امارت کی وجہ سے خوب کھاتے ہیں، خوب عیش کرتے ہیں مگر کچھ دیر کے بعد معدے بھی جواب دے جاتے ہیں، دوسرے اعضاء بدن کے جواب دے دیتے ہیں اور ساری زندگی پھر رونے پیٹنے اور مصیبتوں میں صرف ہوتی ہے۔ تو قانون قدرت اپنی سزا دیتا ہے اور اس نے پابند رکھا ہوا ہے۔ مگر جو قانون قدرت کا پابند رہتا ہے دیکھو کتنی آزادی سے سانس لیتا

ہے۔ وہ دوڑتا پھرتا ہے، صحت اس کی اچھی، اس کے سانس ہلکے، وہ ہر اچھے کام میں حصہ لے سکتا ہے شوق سے۔ اس کا سونا آرام دہ ہے۔ اس کا جاگنا آرام دہ ہے۔ اس کے روزمرہ کے کاموں میں کوئی تکلیف نہیں۔ نہ گھٹنوں میں دردیں ہیں نہ کوہنیوں میں۔ ہر بدن کا حصہ ہلکا پھلکا اور ہر کام کے لحاظ سے متوازن ہے۔ تو ایک طرف غلامی ہے دوسری طرف اسی غلامی کے نتیجے میں ایک آزادی نصیب ہوتی ہے اور جہاں قانون قدرت کی یعنی خدا کے نظاموں کی غلامی ہو وہاں اس کے مقابل پر ضرور آزادی ملتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال الٰہی مذہبی نظام کا ہے اور خدا تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ دیکھو یہ ہے غلامی ہی مگر دراصل یہ ہر آزادی سے بہتر غلامی ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ دنیا کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم، کتاب الزهد و الرقائق) اب دیکھو خدا کے رسول ﷺ نے اس دنیا کو قید خانہ بتا دیا ہے اور مومن کی ساری زندگی قید خانے میں بسر ہوگی اور کافر کے لئے جنت قرار دیا ہے اس کو۔ مگر وہ جو مومن بھی ہوں اور آزاد بھی ہوں پھر وہ کس شمار میں آئیں گے۔ پس مومن کے ساتھ نظام جماعت کی قید و بند ایک لازمہ ہے اس کے بغیر آپ آنحضرت ﷺ کی بیان کردہ مومن کی تعریف میں داخل ہی نہیں ہوتے لیکن ایک دفعہ داخل ہو جائیں وہ پابندیاں قبول کر لیں تو آپ کا روحانی بدن اتنا ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے، اتنے مزے کی زندگی بسر ہوتی ہے کہ کسی قسم کی عقوبت کا خوف نہیں رہتا، کچھ چھپانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً میں ایک یہ بھی مضمون ہے کہ جو کچھ چھپاتے ہیں وہ ظاہر بھی کر سکتے ہیں۔ جو ظاہر کر سکتے ہیں وہ چھپا بھی سکتے ہیں۔ وہ وقت اور محل کی بات ہے ورنہ اپنی ذات میں جو ان کا سِرًّا ہے اگر ظاہر ہو تو ان کے لئے ایک بے حیائی اور شرمندگی کا موجب نہیں بن سکتا۔ وہ جب چاہیں اسے ظاہر کریں وہ ظاہر ہوگا تو حسن میں اضافہ ہی کرے گا، اس میں کمی نہیں لائے گا۔ پس عجیب و غریب ایک یہ بظاہر متضاد مضمون ہے مگر ہے بالکل سچا کہ جو دنیا کا غلام ہے اس کا اپنا کچھ بھی نہیں۔ وہ ہر چیز سے عاری ہے اور حقیقت میں اس کے باوجود وہ آزاد محسوس کرتا ہے اپنے آپ کو۔ دنیا کا غلام ہونے کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ میں جنت میں ہوں اور امر واقعہ یہ ہے کہ جنت میں نہیں ہوتا اور جو دنیا کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے جو خدا کا غلام بن جاتا ہے اس کے اوپر پابندیاں

تو ہیں لیکن وہ پابندیاں اس کو دکھ نہیں دیتیں کیونکہ وہ پابندیاں نظام قدرت کی پابند ہیں۔ نظام قدرت کی کوئی پابندی آپ کو دکھ نہیں دیتی۔ نظام قدرت آپ کو یہی بتائے گا نا کہ آگ میں اپنے ہاتھ نہ ڈالو، پانی میں ڈوبو نہیں اور زیادہ دیر دھوپ میں نہ بیٹھو۔ اب یہ پابندیاں ہی تو ہیں مگر دیکھو کتنی فائدہ مند پابندیاں ہیں۔ ضرورت سے زیادہ نہ جاگنا اور جو بدنی عیش کی خدا نے تمہیں طاقت بخشی ہے وہ توفیق کے مطابق رکھنا۔ جہاں زیادتی کرو گے وہاں سب کچھ گنوا بیٹھو گے۔ تو یہ پابندیاں ہیں جن کے اندر آزادیاں مضمر ہیں۔

پس آپ اگر نظام جماعت کے ساتھ عدل کریں گے اور اس عدل کے تمام باریک تقاضے پورے کریں گے تو آپ کو آزادی کے سانس نصیب ہوں گے۔ آپ کو چین اور گہری طمانیت کے سانس نصیب ہوں گے۔ پس اس پہلو سے آپ نظام جماعت کی حفاظت پر مستعد ہوں اور اس کے سامنے سر جھکائیں کیونکہ یہ خدا کے سامنے سر جھکانا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں نظام کیا چیز ہے یونہی خواہ مخواہ بنایا ہوا ہے نظام۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نظام خدا تعالیٰ کا قائم کردہ ہے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا قائم کردہ ہے اور یہ جو بیعت ہے نظام کی خاطر کی جاتی ہے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کو ماننے والے جو آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر کے بیٹھے تھے انہیں ایک کے بعد دوسرے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس بیعت میں جو اطاعت کا اقرار ہے اور پھر اس پر اصرار ہے اور بار بار یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم ضرور اطاعت کریں گے یہ صاف بتا رہا ہے کہ محض دین عقائد کا نام نہیں ہے یا شریعت کے عام فرائض کو پورا کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ جو شخص باقاعدہ نظام کا جزو بن کر اس کے سامنے سر نہیں جھکاتا وہ عملاً دین سے باہر رہتا ہے۔

پس آنحضرت ﷺ پر ایمان لانا، قرآن کو سچا سمجھنا اپنی جگہ الگ مضمون تھا اور آپؐ کی بیعت میں داخل ہونا ایک الگ مضمون تھا۔ پھر آپؐ کے وصال کے بعد وہ بیعت کام نہیں آئی حالانکہ محمد رسول اللہ ﷺ سے کی ہوئی بیعت سے بڑھ کر اور کون سی بیعت ہو سکتی تھی۔ ہر شخص کو مجبور کر دیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرے اور جب آپؓ کا وصال ہوا تو حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت پر مجبور کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کا وصال ہوا تو عثمانؓ کے ہاتھ پر۔ آپؓ کا وصال ہوا تو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر۔ رضوان اللہ علیہم۔ وہ لوگ جب نظام کا نمائندہ بنے ہیں تو ان کے سامنے تمام مسلمانوں

کی جماعت کو سر جھکانے پر مجبور کیا گیا ہے۔ یہ نظام ہے جس کی غلامی میں آنا آپ کے لئے آزادی کا پیغام ہے۔ یہی وہ نظام ہے جس کا آغاز ہی فرشتوں کو اس حکم سے ہوا تھا جب میں آدم کو ٹھیک ٹھاک کرلوں، جب میں اس میں روح پھونک دوں تو سجدہ کر دینا۔ اب لفظ سجدہ بڑا بھاری لفظ ہے۔ بہت سے علماء کو مصیبت پڑی ہوئی ہے یہ مسئلہ حل کرنے میں کہ سجدہ غیر اللہ کو اور حکم اللہ دے رہا ہے۔ اگر کسی اور کا حکم ہوتا تو وہ کہہ بھی دیتے کہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ اللہ حکم دے رہا ہے کہ اے فرشتو! جو بظاہر دنیا کی سب سے بلند مخلوق ہو جب آدم کو میں برابر کرلوں۔ اب دیکھیں ''سویٰ'' کا جو مضمون ہے وہ عدل کا ہے۔ تو جب آپ قرآن کریم کی سچی تفسیر کرتے ہیں تو ہر آیت اس کی تائید میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے ایک مضمون دوسری آیتوں کو دعوت دے کے بلاتا ہے کہ آؤ میرے حق میں گواہی دو۔

پس عدل وہ ''سویٰ'' کا مضمون ہے جس کے بعد آسمان سے امر اترتا ہے اور عدل کے بغیر کسی کو مامور بنایا جا ہی نہیں سکتا کیونکہ عدل اور ماموریت کا ایک ازلی تعلق ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ یہ آدم ہے جب اس کے اخلاق درست ہو جائیں، جب اس کے اندر توازن پیدا ہو جائے، جب اس کا بدن درست ہو جائے، جب اس کی روح درست ہو جائے، اس کا مزاج درست ہو جائے پھر میں اس میں اپنی روح پھونکوں گا۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (الحجر:30)۔ جب میں اپنی روح پھونک دوں پھر تمہارا فرض ہے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔ پس لفظ سجدہ پر جو مفسرین کو اور علماء کو مصیبت پڑ گئی ہے کہ یہ خدا نے کیا کر دیا کہ غیر اللہ کے سامنے فرشتوں کو حکم دے دیا کہ سجدہ کریں۔ تو امر واقعہ یہ ہے کہ سجدہ میں جو کامل اطاعت کا مضمون ہے وہ یہاں پیش نظر ہے کیونکہ جو شخص سر ٹیک دیتا ہے زمین پر، جس کے ہاتھ بھی سامنے بندھے ہوئے، جس کے پاؤں بھی ایسی حالت میں ہیں کہ کلیۃً نہتا ہو جاتا ہے، اپنے دفاع کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتا اور وہ فیصلہ کرنے کی بھی کوئی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ اس کو کچھ اور دکھائی ہی نہیں دیتا سوائے مٹی اور زمین کے، جس مٹی سے وہ نکلا تھا وہی مٹی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے اگر انسان ہو تو۔ تو اس سے بڑھ کر بے اختیاری اطاعت کی اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر خدا نے حکم دیا ہے۔

پس وہ نظام کا قیام ہے جس کی حفاظت حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس حد تک فرمائی

کہ فرمایا

”(من أطاعنی فقد أطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله
و من أطاع أمیری فقد أطاعنی ومن عصی أمیری فقد
عصانی) کہ جو میرے امیر کی اطاعت کرے گا اس نے میری اطاعت کی
اور ومن عصی امیری فقد عصانی ومن عصانی فقد عصی الله“

(مسلم کتاب الأمارة ،باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر امعصیة و تحریمها فی المعصیة)

جس نے میرے مقرر کردہ امیر کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا ہے، جس نے میرا انکار کیا اس نے خدا کا انکار کر دیا۔ تو اب بتائیں نظام جماعت کی کتنی اہمیت نکلتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی براہ راست اطاعت سے باہر جانے کا تو کوئی مومن تصور بھی نہیں کر سکتا ہے اور حیرت انگیز اس تشریح میں رفعت بھی ہے اور انکساری بھی ہے۔ فرمایا کہ میری خاطر بیعت نہ کرنا، میری اطاعت نہ کرنا۔ میں تو کچھ بھی نہیں اگر خدا میرا نہ ہو۔ اگر خدا کا امر مجھ پر نازل نہ ہو تو میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پس جس کو میں امیر مقرر کرتا ہوں اس کی حیثیت بھی نہ دیکھنا اس کی تو حیثیت بنتی اس بات سے ہے کہ میں اسے کچھ کہتا ہوں۔ ویسی ہی بات ہے جیسے غالب کہتا ہے۔

ہوا ہے شہہ کا مصاحب، پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

(دیوان غالب:279)

کہ بادشاہ کا مصاحب ہو گیا، بادشاہ نے اس کو عظمت بخشی، اس پر رحم کیا، اسے اپنے قریب آنے کی توفیق دی تو دیکھو گلیوں میں بھی بڑے اتراتے ہوئے پھرتا ہے اور بڑی شان سے قدم اٹھاتا ہے کہ میں بادشاہ کے پاس سے ہو کر آیا ہوں۔ ورنہ غالب کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں ورنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے۔ کوئی عزت نہیں، کچھ بھی نہیں تو نبی کی عزت خدا کی مصاحبت سے پیدا ہوتی ہے اور اگر چہ وہ اتراتا تو نہیں پھرتا مگر دل میں جانتا ہے کہ خدا کے قرب کی وجہ سے اس نے سب عزتیں پائی ہیں۔ پھر جب وہ کسی کو اپنا نمائندہ بنائے تو اس کو بھی کچھ ملتا ہے اس کی اطاعت میں، اس کی غلامی میں، اس کی مصاحبت کے نتیجے میں ہی ملتا ہے ورنہ اپنی ذات میں تو کوئی آبرو نہیں۔

پس وہ لوگ جو امراء سے بدتمیزیاں کرتے ہیں، جو امراء کے خلاف سر اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کیا امیر ہے۔ اس نے فلاں بات کی، فلاں بات غلط ہوئی، فلاں بات غلط ہوگئی، اس کی بات سن لی، اس کی نہیں سنی، ان لوگوں کو مذہب کی الف ب کا بھی نہیں پتا اور یہ عدل کا فقدان ہے نظام جماعت سے جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کر رہا ہوں اور ہالینڈ میں خصوصیت سے اس کی ضرورت ہے یا ضرورت تھی اور خدا کرے کہ اب نہ رہی ہو اور اسی طرح ڈنمارک کی بات ہے وہاں میں نے ابھی ایک وفد بھیجا تھا۔ وہ ملک بھی بیمار ہے کئی پہلو سے اور بیماری کی جو بنیاد ہے اصلی آخری نقطہ یہی ہے کہ جو بھی امیر مقرر کیا جائے اس کے نقص نکالتے اس سے بدتمیزی کرتے ہیں اور ایک کے بعد دوسرے کو استعمال کر لیا جائے لیکن ان کے چال چلن میں کوئی فرق نہیں۔ بوڑھے کو کیا، تب اس کی عزت نہ کی، جوان کو کیا، تب اس کی عزت نہ کی، صاحب علم کو کیا، تب اس کی عزت نہ کی ایک عام آدمی مگر منکسر مزاج کو مقرر کیا تو تب بھی اس کی عزت نہ کی۔ تو اگر ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دین پر قائم ہیں اور نظام جماعت کیا چیز ہے، معمولی سی حیثیت ہے، ہم اس کا اگر نوٹس بھی نہ لیں، اس کو کسی خاطر میں نہ لے کے آئیں تو ہماری احمدیت تو اپنی جگہ ہے۔ ہم چندے بھی دیتے ہیں، ہم نماز بھی پڑھتے ہیں، ہم نے خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے ہمیں اور کیا ضرورت ہے۔ یہ امیر اس کی کیا حیثیت ہے، یہ تو جاہل آدمی ہے۔ کبھی اس کی سنتا ہے، کبھی اس کی سنتا ہے، ہماری بات تو سنتا ہی نہیں۔ اس قسم کے نفس کے بہانے ہیں جو انسان کو طرح طرح کے دھوکے دیتے ہیں اور ایسا شخص عدل سے گر جاتا ہے۔

عدل کا یہی تقاضا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جو حق جس کو دیا ہے اس کا حق سمجھو اور اس کے سامنے پوری محبت سے جھکو۔ اب اس کی ایک اور مثال ہے کہ دیکھیں ماں باپ کے متعلق فرمایا کہ اگر بوڑھے ہو جائیں تو ان کے سامنے اف بھی نہیں کرنی۔ اف نہ کرنے کا مطلب صاف ہے کہ انہوں نے کوئی زیادتی کی ہے، کوئی سختی کر بیٹھے ہیں۔ یا روزمرّہ کی عادتیں ایسی ہیں جو تنگ کرتی ہیں۔ تو فرمایا ان کے سامنے اف بھی نہ کرنا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق فرمایا کہ جس شخص کو اپنے ماں باپ، رشتہ داروں، عزیزوں سب سے زیادہ پیارا یہ وجود نہیں ہے اس کو ایمان کا پتا ہی کچھ نہیں۔ جس کے دل میں سب سے زیادہ قدر محمد رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے وہ جانتا ہی نہیں کہ ایمان کیا

ہوتا ہے۔تو دیکھو نظام کا نمائندہ چونکہ خدا کے نظام کے آپ نمائندہ ہیں آپ کا یہ مقام اور مرتبہ اللہ تعالیٰ نے قائم فرمایا ہے۔پس زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا ہے نا کہ ایک امیر نے جو درجہ بدرجہ، سلسلہ بہ سلسلہ آخر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا تو نمائندہ ہے ورنہ اس کی امارت کی کچھ بھی حیثیت نہیں ہے۔اگر یہ سلسلہ وہاں سے شروع نہ ہوتا تو نہ خلیفہ کی کوئی اہمیت، نہ امیر کی کوئی اہمیت، نہ کسی عہدیدار کی سب بے معنی مٹی کے مادھو بن جاتے کیونکہ ان میں امر نہ رہتا۔ان میں وہ روح نہ پھونکی جاتی جو آسمان سے اترتی ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلے سے پھر آگے نظام جماعت کے کل پرزوں کو نصیب ہوتی ہے۔

پس اس پہلو سے یاد رکھیں کہ وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی نمائندگی میں آپ پر مقرر ہے اگر وہ زیادتی بھی کرتا ہے تو یہ کیوں نہیں یاد کرتے کہ ماں باپ کے متعلق تو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اف بھی نہیں کرنی۔تو اگر یہ زیادتی کرتا ہے تو اس کی شکایت کا ہمیں حق ہے لیکن بدتمیزی کا کیا حق ہے۔اف نہ کرنے کا کم سے کم اتنا مطلب تو لیں کہ اس کے سامنے آواز اونچی نہ کریں۔ادب اور پیار کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کریں کہ دیکھیں آپ نے مجھ پہ زیادتی کی ہے اور اگر وہ نہیں مانتا تو پھر جیسا کہ نظام جماعت آپ کو اجازت دیتا ہے آپ اس کی شکایت بالا افسروں تک کر سکتے ہیں اور پھر سارا نظام عدل پر مبنی ہے اس لئے لازم ہے کہ اس کی شکایت کا ازالہ ہو اگر وہ عدل کے اوپر مبنی شکایت تھی۔

لیکن دوسری ناانصافی پھر یہ لوگ یہ کرتے ہیں کہ جس کو بھیجا جائے اگر اس کا فیصلہ کسی ایک کے خلاف ہو اور کسی دوسرے کے حق میں ہو تو ہمیشہ بلا استثناء یہ چٹھی لکھتے ہیں کہ آپ کے نمائندوں نے عدل سے کام نہیں لیا، انصاف سے کام نہیں لیا اور بعض ایسی جماعتیں ہیں دنیا میں جہاں تیس تیس، چالیس چالیس سال سے یہی جھگڑا چلا آرہا ہے۔وہ ناسور ایسا ان کے اندر داخل ہوا ہے کہ کینسر بن کے سارے بدن میں پھیل گیا ہے۔کبھی آج تک ایسا نہیں ہوا میں پرانی یاد سے جب میرا خلافت سے ایک محض غلامی کا، اب بھی غلامی کا تعلق ہے مگر اور رنگ کا ہے، پہلے بھی غلامی کا تعلق تھا۔اس وقت وقف جدید کی حیثیت سے یا خدام الاحمدیہ کی حیثیت سے میں جماعتوں کے دورے کرتا تھا اور ان جماعتوں کو دیکھتا تھا، جانتا ہوں، ابھی بھی جانتا ہوں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ہر کوشش آپ نظام جماعت کر دیکھے۔ایسے لوگوں کو بھی چنے جو ان کے نمائندے ہوں۔ان سے کہا جائے کہ جناب

اب آپ اپنا نمائندہ مقرر کریں اور وہ ان کے خلاف فیصلہ دے تو کہتے ہیں دیکھا ناانصافی کر گیا ہے یہ شخص۔فلاں کی روٹی کھا گیا تھا،فلاں نے اس وقت ایک دفعہ اس پر یہ احسان کیا تھا۔کم عقل آدمی ہے ہماری پوری بات سنی نہیں دوسرے کی باتوں میں آ گیا۔

تو وہ لوگ جو یہ عذر رکھتے ہیں کہ نظام عدل نہیں کرتا ان سے بڑا جھوٹا کوئی نہیں کیونکہ وہ خود نظام سے عدل نہیں کر رہے کیونکہ نظام سے عدل کا مطلب ہے کہ وہ جب بھی کوئی فیصلہ کرے پھر اس کے سامنے سر جھکاؤ۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ اپنے متعلق فرماتے ہیں اگر میں بھی کسی چرب زبان انسان کی دلیل سن کر اس بات میں مطمئن ہو جاؤں کہ کوئی جائیداد اس کی ہے دوسرے کی نہیں تو اگر وہ اسے لے لے گا تو آگ کا ٹکڑا ہے جو وہ قبول کرے گا اور آگ کا ٹکڑا ہے جو وہ کھائے گا۔اس لئے اسے چاہئے کہ وہ اسے واپس کر دے۔مگر یہ احتمال ایک کھول دیا،ایک ایسا احتمال کھولا جو عملاً آپ کی ذات میں ممکن ہی نہیں تھا کیونکہ آنحضرت ﷺ سے زیادہ صاحب فراست اور باریک اور لطیف نظر سے دیکھنے والا کبھی دنیا میں نہ پیدا ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ تعریف کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے،سب سے زیادہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر صادق آتی ہے۔اس کے باوجود آپؐ کا یہ کہنا کہ میں بھی غلط فیصلہ کر دوں تو قبول ضرور کرنا ہوگا لیکن از خود پھر غلط فیصلے کو درست کرنے کی خاطر جو حق تمہیں دیا گیا ہے،جب کہ تمہارا حق نہیں تھا،اسے شوق سے خود واپس کرو لیکن تعمیل ضرور ہوگی۔یہ نکتہ لوگ نہیں سمجھتے یعنی حضور اکرم ﷺ تو غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتے مگر فرماتے ہیں اگر میں بھی کروں۔حضرت فاطمہؓ سے متعلق چوری کا کوئی دور کا تصور بھی ممکن نہیں مگر فرماتے ہیں کہ میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹوں گا۔یہ عدل ہے،حیرت انگیز عدل ہے اور انسانی بشری کمزوری کے حق کو اپنی ذات میں تسلیم کرنا دراصل عدل کا تقاضا تھا۔آپؐ یہ کہہ سکتے تھے کہ میں نبی اللہ ہوں،نبیوں کا سردار ہوں،مجھ سے کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں ہو سکتا۔مگر یہ عدل کے خلاف ہوتا کیونکہ آپؐ بشر بھی تھے اور ایک بشر لاعلمی میں بعض دفعہ کوئی بات سن کر ایک غلط نتیجہ نکال بھی سکتا ہے۔پس عدل کا عجیب مضمون ہے وہ بڑوں پر بھی چسپاں ہوتا ہے،چھوٹوں پر بھی چسپاں ہوتا ہے،ہر زندگی کے پہلو پر مختلف بھیس بدل کر آتا ہے مگر اسے پہچاننا ہوگا کیونکہ عدل ہی میں ہماری زندگی ہے اور عدل ہی کے نتیجہ میں پھر امر پیدا ہوتا ہے اور اگر آپ امر سے عدل نہ کریں تو یہ سب سے بڑا گناہ

ہے۔صاحب امر سے عدل کرنا لازم ہے اور اس عدل کا یہ تقاضا ہے کہ آپ اس کے فیصلے کے سامنے سر جھکائیں اور پھر اگر آپ کا کوئی حق ہے تو یا بالا نظام سے مانگیں یا خدا کے سپرد کر دیں۔

اور وہ لوگ جو سچے دل سے خدا کے قائم کردہ امر کے سامنے سر جھکاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا کبھی کوئی نقصان نہیں ہونے دیتا۔اگر وہ ایک غلط فیصلے کو غلط سمجھتے ہوئے بھی قبول کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ آسمان سے ان کی کمی پوری کرتا اور اس کثرت سے ان کو نعمتیں عطا فرماتا ہے کہ اگر ان کو شعور ہو تو اس تصور سے بھی وہ شرم سے پانی پانی ہو جائیں کہ ہم اپنے آپ کو بڑا کوئی تیس مار خان سمجھ رہے تھے کہ ہم نے دیکھو عدل کی خاطر ایک غلط فیصلے کو قبول کر لیا۔معمولی سا ایک قصہ ہے جو دنیا میں ہر روز کرتے ہی ہیں۔اب دیکھو دین کے معاملے میں کتنے نخرے شروع ہو جاتے ہیں۔چھوٹے چھوٹے سر دیکھو کتنا بلند ہونے لگتے ہیں۔عام عدالتوں کے سامنے مجال ہے ان کی یہ بات کہیں کہ تم نے عدل کے خلاف بات کی ہے اس لئے ہم یہ بات نہیں مانیں گے۔حکومت جوتیاں مار کے ان سے بات منوائے گی۔مگر چونکہ خدا کی جوتی دکھائی نہیں دیتی اس لئے چھوٹی سی بات کے اوپر سر اٹھاتے اور زبانیں دراز کرتے اور کہتے ہیں دیکھو امیر نے عدل نہیں کیا اس لئے ہم بکلی آزاد ہیں۔ہم پابند نہیں ہیں کہ اس کی بات کو مانیں۔لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ کی سوٹی یا اللہ کی جوتی دکھائی نہ بھی دے تو موجود ضرور ہے اور وہ ضرور گرتی ہے اور ضرور سرکوبی کرتی ہے ایسے باغیوں کی جو خدا کے قائم کردہ اس کے ایسے نمائندوں کو جو اس کی طرف سے صاحب امر بنائے جاتے ہیں ان کو حقیر سمجھتے اور اس کی شان میں گستاخی سے پیش آتے ہیں۔سمجھتے ہیں کہ ہم نے کہہ دیا کچھ بھی نہیں ہوا۔تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے لیکن اس بے چارے نے کیا بگاڑنا ہے جس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔اس کی تو حیثیت بنی ہی اس وقت تھی جب اس کو کوئی امارت سونپی گئی۔اس سے پہلے عام شہری آپ کی طرح چلتا پھرتا تھا اس کو کسی کو کچھ کہنے کا اختیار ہی نہیں تھا۔تو جس نے سب کچھ خدا کی خاطر قبول کیا ذمہ داری کے لئے اور دراصل امر ایک مصیبت ہے۔امر ان معنوں میں مصیبت ہے کہ اتنی بڑی ذمہ داری آپڑی ہے بیٹھے بٹھائے ایک انسان کے اوپر کہ اس کے مقابل پر جو بے امر کا روزمرّہ پھرنا ہے وہ بہت زیادہ آسان اور دلکش دکھائی دیتا ہے لیکن یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے۔وہ سمجھتے ہیں کہ امر آ گیا ہے اچھا جی بڑا ہی اونچا چڑھ گیا ہے یہ شخص، ہم پر حکومتیں جتانے لگا ہے، ہمیں حکم دیتا ہے۔حالانکہ اس بے

چارے غریب کے دل کا یہ حال ہوگا کہ اسے یہ بھی مصیبت ہوگی کہ کسی بھائی کو کسی معاملے میں مجبور کرے اور خدا کے نام پر اس سے تعاون کی درخواست کرے۔ تو تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ لوگ نظام جماعت سے عدل سیکھیں اور عدل کے مضمون پر غور کرتے رہیں۔ ابھی تو میں نے آپ کو ہزارواں حصہ بھی وہ نہیں بتایا جو خدا تعالیٰ نے مجھے عدل کے مضمون کے اوپر نظر ڈالنے کی توفیق بخشی ہے۔ زندگی کے ہر شعبے پر گہری نظر ڈال کر آپ کو عدل کے ایسے لطیف مظاہر دکھائی دیتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور انسان خدا کی عظمت کے سامنے ورطۂ حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔

پس آپ بھی ان باتوں پر غور کیا کریں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے عدل کے مضمون کو جتنا سمجھیں گے، جتنا اس کا عرفان ہوگا اتنا ہی آپ کو عدل کرنے کی توفیق ملے گی۔ ورنہ موٹا موٹا عدل ہے جو آپ کر سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں کر سکتے اور جوں جوں انسان ترقی کرتا ہے موٹے عدل کا مضمون پیچھے رہ جاتا ہے۔ اوپر کی ترقی باریک عدل کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ درجے وہیں کھڑے ہو جائیں گے جہاں موٹے عدل کا مقام آ گیا ہے اور باقی ساری ترقیاں باریک عدل کے تقاضوں کے پورا کرنے سے آتی ہیں۔ پس خدا کے قرب کے مزے لوٹنے ہیں، روحانی لذّتیں حاصل کرنی ہیں، بلند فضاؤں میں اڑنا ہے تو عدل کو اختیار کریں لیکن عدل کو سمجھیں گے تو اختیار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے اور آپ کے حوالہ سے میں دنیا کی تمام جماعتوں کو بھی اس مضمون کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ ایک دو جماعتوں کے میں نے نام لئے ہیں مجبوراً کیونکہ بعض کی طرف سے بہت دیر سے تلخیاں پہنچ رہی ہیں۔ صرف ان کو سمجھانے کے لئے کہ اب خدا کا خوف کرو ورنہ پھر نظام عدل تم سے کچھ اور سلوک کرے گا اور باقی اور بھی ہیں جن کا نام نہیں لیا گیا مگر میں جانتا ہوں۔ مختلف ملکوں میں کئی ایسے گڑھ ہوتے ہیں جہاں ایک دو یا چند بیمار ایک بیماری کی گھٹلی بنا لیتے ہیں۔ اردگرد کا بدن صحت مند بھی ہو تو وہ گھٹلی اکیلی ہی اس کو کمزور کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ ہر وقت زہر اس گھٹلی سے گھل گھل کر سارے بدن کو دکھوں میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ پس یہ میں نہیں کہتا کہ جن جماعتوں کا میں نے حوالہ دیا ہے ان میں سارے ہی بیمار ہیں مگر یہ میں ضرور کہتا ہوں کہ گھٹلیاں ضرور ہیں اور ساری گھٹلیاں ظلم کی گھٹلیاں ہیں، عدل کے فقدان کی گھٹلیاں ہیں، تکبر کی گھٹلیاں ہیں۔ یا تو ان کو کچل کے باہر نکال کے پھینکا جائے یا ان کو کاٹ کر باہر پھینکا

جائے یا پھر وہ سارے بدن میں زہر سرایت کر گیا ہے تو اس کا علاج تو پھر یہی ہے کہ اس سارے بدن سے قطع تعلقی اختیار کر لی جائے۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ مگر میں امید رکھتا ہوں کہ جو فکر کرنے والے لوگ ہیں اس مضمون کے اوپر غور کریں گے اور نظام جماعت کی پابندی خدا کی خاطر اس کی رضا کے لئے، نہ کہ بندوں کے منہ دیکھ کر کریں گے۔ اگر ایسا کریں گے تو خدا تعالیٰ آپ پر بے شمار برکتیں نازل فرمائے گا اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، انفرادی طور پر بھی اور جماعتی طور پر بھی۔ پس نظام عدل ہی سے ہماری زندگی اور ہماری ترقیاں وابستہ ہیں۔ اللہ ہمیں اس کو قائم رکھنے اور اس کی وفا کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین